جناب حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری

عہد فاروقی کا معاشرتی نظام

ریڈیو پاکستان کے سیمنار میں پڑھا گیا خصوصی مقالہ

صاحب صدر! معزز حاضرین و سامعین!!

السلام علیکم! یہ بات میرے لئے بڑے اعزاز کا باعث ہے کہ مجھے حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ کے عہد مبارک میں ان کے نافذ کردہ معاشرتی نظام پر اظہار خیال کا موقعہ نصیب ہو رہا ہے۔

حضرات! معاشرتی زندگی انسان کی ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے کہ وہ معاشرے کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا اور اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ معاشرہ انسان کی مجبوری ہے اور یہ مجبوری اس لئے ہے کہ زندگی کے اتنے پہلو ہیں اور اس میں انسانی زندگی کے اتنے تقاضے ہیں کہ ان سے انحراف کرتے ہوئے کسی فرد کے لئے بھی اس دنیا میں تنہا زندگی بسر کرنا ناممکن ہے اسی لئے زندگی کے روز اول سے مختلف عہد اور زمانے اور ان میں مختلف افراد اور اقوام اپنے لئے مل جل کر زندگی بسر کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ اپناتے رہے ہیں اور معاشرتی زندگی کے لئے ہر قوم کے پاس اپنا ایک نظام رہا ہے کیونکہ انسان فطرتاً کچھ کمزوریاں بھی رکھتا ہے جن میں خاص طور سے اپنی ذات کا تحفظ اپنے مفاد کی حفاظت اور صرف اپنی ہی نسل کی بڑائی اور اس کے لئے زندگی کے سارے وسائل کو سمیٹ لینا اس کی کمزوری رہا ہے اس اعتبار سے جب آپ غور کریں گے تو دنیا کے سارے معاشرتی نظام آدمی کی ذاتی اور نسلی مفاد پرستیوں کا مجموعہ نظر آئیں گے لیکن آج ہم آپ کے سامنے اس معاشرتی نظام کا ذکر کر رہے ہیں جسے امیر المومنین حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ نے نافذ کیا وہ نظام اور اس کے تمام بنیادی اصول ان کے اپنے اختراع کردہ نہیں تھے بلکہ محمد الرسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت تسلیم کرنے کی صورت میں زندگی کا جو نقشہ فاروق اعظمؓ کے سامنے تھا وہ اللہ کا عطا کردہ نظام معاشرت اور اس کتاب ہدایت کے بیان کردہ اصول تھے جو انوار سیرت سے مزین ایک عملی طریقہ کار تھا۔

اور اس معاشرتی نظام میں سب سے پہلا بنیادی نکتہ وحدت نسل انسانی ہے جس کو تسلیم کرنے کے بعد وہ ساری مصنوعی تفریقیں جو انسانوں کو تقسیم کرنے کے لئے مفاد پرست نظام سازوں اور اپنی ذات کو ماورائے انسانیت قرار دینے والے معاشرتی مفکرین نے کمزور لوگوں کو درجہ انسانیت سے گرانے اور اپنی طاقت کے زور پر انہیں اپنا بندہ بنانے

کے لے قائم کی تھیں، اسلام کے نظام نے یہ اصول عطا کر کے ان سب کی نفی کر دی کہ یـا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس و احدہ (سورۃ النساء آیت نمبر 1) کہ سب انسان ایک ہی انسانی جوڑے کی پھیلی ہوئی ذریت ہیں، کسی کو کسی پر اگر کوئی فضیلت ہے تو اس کی بنیاد کوئی رنگ و نسل نہیں ہے بلکہ خدا خوفی ہے، اس کی وضاحت سورۃ الحجرات میں کر دی گئی۔ اور پھر اس پورے معاشرتی نقشے کو حضور اکرم ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع نے یہ کہہ کے رنگ وحدت مزید واضح اور نمایاں کر دیا کہ کسی گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

پھر انہی رہنما اصولوں پر وہ معاشرہ قائم ہوا جسے خود نبی ﷺ نے تشکیل فرمایا تھا، یہی معاشرہ اور یہی ریاست انہیں اصولوں پر قائم و دائم تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد اس کے تحفظ اور ارتقاء کی ذمہ داری حضرت فاروق اعظمؓ کے حصے میں آئی۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد حضرات! ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ ان خطوط پر، جنہیں قرآن و سنت نے متعین کیا، حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں، اس معاشرتی نظام کا نقشہ کار کیا تھا، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس معاشرتی نظام میں جو ارتقائی مراحل حضرت عمرؓ کی رہنمائی میں طے ہوئے، وہ کیا تھے؟

حضرات! معاشرہ انسانوں کی ایک با مقصد اجتماعی ہیئت کا نام ہے اور معاشرتی زندگی ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے کو کہتے ہیں، اور جہاں مل جل کر رہنے کی بات آئے گی، وہاں ایک دوسرے کا حقوق و فرائض کا تعین کئے بغیر کئی مستحکم صورت حال پیدا نہیں ہو سکتی، جب تک کمزوروں کے حقوق کا تحفظ نہ ہو، اور طاقتوروں کو ان کی حد میں رکھنے اور فرائض کی ادائیگی پر آمادہ کرنے کے لئے کوئی مضبوط نظام روبہ عمل نہ لایا جائے اس وقت تک نہ معاشرتی زندگی مہذب انداز میں قائم ہو سکتی ہے اور نہ اپنے وجود کو برقرار رکھ سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ معاشرتی زندگی چاہے بالکل ابتدائی مرحلے ہی کی کیوں نہ ہو مگر وہ اپنے آداب و قواعد کو واضح انداز سے سب سے پہلے سامنے لاتی ہے۔

چاہے وہ محض رسوم و رواج کی ابتدائی شکل میں ہو یا قواعد و ضوابط کی صورت میں ہو مگر اس کا واضح ہونا اور ان ضابطوں کا پاس و لحاظ، معاشرتی نظام کے لئے، اس کی بقاء و ارتقاء کا ضامن بھی ہے، اور اس کے لئے ایک حصار عافیت بھی، تو اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسانی معاشرہ سب سے پہلے جس بات کا تقاضا کرتا ہے وہ قیام امن، تحفظ جان و مال و آبرو اور انصاف کا آسان حصول ہے لہذا عدالت کا باقاعدہ نظام اور ایسا انتظام کہ جس میں انصاف کا شعبہ انتظامیہ سے بالکل الگ آزاد حیثیت میں اپنا فریضہ سرانجام دے اور کسی قسم کے انتظامی دباؤ کا شکار نہ ہو اور مسند انصاف پر ایسے لوگوں کو فائز کیا جائے جو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہو کر لوگوں کے حقوق کی حفاظت کر سکیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اختیارات خلافت سنبھالنے کے چند ہی دن بعد اس شعبے کو انتظامی عہدیداران کی ذمہ داریوں سے الگ کر کے ایسے لوگوں کو متعین کیا کہ جن کے ذمے انتظامات ریاست کا کوئی اور منصب نہیں تھا، حضرت عمرؓ نے جو رہنما اصول اس سلسلے میں ججوں کے لئے مقرر فرمائے ان میں سے چند رہنما اصول یہ ہیں:

۱۔ قاضی کوایک منصف کی حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

۲۔ ثبوت فراہم کرنا مدعی کے ذمے ہے۔

۳۔ فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ خلاف قانون معاملات میں نہ ہو یعنی اس سے کوئی حرام، حلال اور کوئی حلال، حرام نہ ہونے پائے۔

۴۔ پیشی کی ایک تاریخ مقرر کی جائے۔

۵۔ معینہ تاریخ پر اگر مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ان اصولوں کے بعد آپؓ نے جن لوگوں کو قاضی مقرر کیا، ان کے انتخاب میں خدا خوفی، کتاب وسنت کا علم، اثابت رائے اور صداقت شعاری کی شہرت عامہ بنیادی اصول کے طور پر کارفرما رہی ہے۔ اس سلسلے میں بھی تین ایسی پیش بندیاں ہیں جنہوں نے انصاف کے شعبے کو مستحکم کر دیا۔

۔ قاضیوں کی تنخواہیں بیش بہا مقرر کیں۔

۲۔ قاضی مقرر کرنے کے لئے معزز اور دولت مند افراد کو اس بنیاد پر اولیت دی کہ رشوت کا سد باب کیا جا سکے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قاضی کے لئے تجارت کرنے اور خرید و فروخت کے معاملات میں حصہ لینے پر مستقل پابندی عائد کی تاکہ منصف ہر طرح کے دباؤ، لالچ، تحریص و ترغیب سے محفوظ رہے اور انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہونے پائیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی معاشرہ ایسے نظام انصاف کے زیر سایہ آ گیا کہ جس میں شاہ و گدا کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ انصاف کے بعد انسانی معاشرے کیلئے ایسے ذمہ داران کا وجود یا ایسا محکمے کا قیام بہت ضروری ہے جو امن عامہ کو قائم بھی کرے اور اس کی بقاء کا ضامن بھی ہو لہذا حضرت عمرؓ نے اسلامی ریاست کے اس معاشرے میں قیام امن کے لئے مستقلاً پولیس کا محکمہ بھی قائم کیا۔ بازاروں میں دکانداروں کے ناپ تول کی نگرانی، دھوکا دہی سے گاہک کو بچانے کا انتظام، شاہراہوں پر نجی تعمیرات سے روکنے کا کام اور جانوروں پر طاقت سے زائد بوجھ لادنے کی نگرانی بھی اسی محکمے کے سپرد تھی، پھر کسی معاشرے کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کسب حلال کا اہتمام ہو اور کسب حلال کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، پہلی بات کا تعلق نظام حکومت سے ہے اور وہ ہے سرکاری ملازمین کے لئے تنخواہوں کا معقول تعین اور عہدیداران کے لئے حدود کار کی وضاحت اس کے ساتھ ہی ساتھ احتساب کا ایسا کڑا نظام کہ جس میں کوئی عہدیدار عام لوگوں کے ساتھ ناروا رویہ اختیار نہ کر سکے۔

اس سلسلے میں بھی حضرت عمرؓ نے اپنے عاملوں کو اور سارے عہدیداروں کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ شان وشوکت کی زندگی اختیار نہیں کریں گے، اہل حاجت کیلئے ان کے دروازے کھلے رہیں گے۔ ان کے دروازوں پر دربان نہیں ہوں گے، وہ باریک کپڑا نہیں پہنیں گے، ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے (اسلئے کہ ترکی گھوڑا اپنے قد وقامت

میں بڑا رعب و دبدبہ رکھتا ہے) چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھانے پر پابندی تھی لیکن صرف عاملانِ حکومت کیلئے اور تقرری کا یہ فرمان مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا' تاکہ یہ کوئی خفیہ دستاویز نہ ہو بلکہ عوام عاملانِ حکومت کی غلط روی کا احتساب کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ پھر جب کوئی شخص عامل مقرر کیا جاتا تو اس کے اثاثوں کی مکمل فہرست تیار کی جاتی اور اگر عامل بننے کے بعد کسی کے اثاثوں میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تو اس سے جواب طلب کیا جاتا اور بعض صورتوں میں زائد اموال ضبط کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں احتساب عام کا اہتمام بھی حضرت عمرؓ نے کیا' اور یہ حج کے موقعہ پر ہوتا تھا' جس میں ہر شخص کو احتساب کا حق تھا' اور ہر عامل جوابدہی کا پابند تھا' کسب حلال کے حصول کے لئے دوسری بات بلا معاوضہ خدمت پر پابندی اور مناسب تنخواہیں لے کر کام کرنے کی ترغیب تھی۔ اس کا اہتمام بھی حضرت عمرؓ نے کیا اور یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ ابتداء میں تو پارسائی کے حقیقی پیکر حقیقتاً رضا کارانہ خدمت کو پسند بھی کرتے ہیں اور اس کا حق بھی ادا کرتے ہیں' لیکن بعد میں یہ طریقہ کار صرف نمائشی طور پر بے تنخواہ رہ جاتا ہے' مگر نذرانوں اور تحائف کی صورت میں کسب کا نیا انداز اختیار کر لیتا ہے لہٰذا آپؓ نے اس بات کا رواج عام کیا کہ لوگ جس عہدے پر کام کریں اس کا حق الخدمت لینے میں عار محسوس نہ کریں۔

اس سلسلے میں حضرت ابوعبیدہؓ کی مثال بڑی نمایاں ہے' جو مشہور صحابی بھی ہیں' عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور نامور سپہ سالار بھی ہیں' انہوں نے حق الخدمت لینے سے انکار کیا اور حضرت عمرؓ نے انہیں مشکل سے اس بات پر راضی کیا کہ وہ معاوضہ لیں' پھر جو معاوضے مقرر کئے گئے ان میں ناموری کو پیش نظر نہیں رکھا گیا' بلکہ خدمات کو رہنما اصول بنایا گیا' مثلاً شرکائے بدر کا معاوضہ پانچ ہزار درہم فی کس' شرکائے احد کا معاوضہ چار ہزار درہم فی کس' فتح مکہ سے پہلے کے اصحابِ ہجرت کیلئے تین ہزار درہم اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے حضرات کیلئے دو ہزار درہم فی کس مقرر ہوا۔ معاوضوں کے تعین میں ایک اور قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ جو تنخواہ جن اصحاب کیلئے مقرر کی گئی وہی تنخواہ انکے غلاموں کو بھی عطا فرمائی گئی گویا اس طرح نسل انسانی کی وحدت کا وہ تصور' جس پر یہ معاشرہ قائم ہوا' اس میں تمیز بندہ و آقا کو عملاً ختم کر دیا گیا۔

کسبِ حلال ہی کے سلسلے میں یہ بات بھی حضرت عمرؓ کے نافذ کردہ معاشرتی نظام کا خاصہ ہے کہ جس میں آپؓ نے بغیر کام کئے گزر بسر کرنے کا بھی مستقلاً سدِ باب کر دیا' عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ اگر سرکار دربار کی فیاضیاں انعام و اکرام کی صورت میں بلا استحقاق ہونے لگیں تو اس سے ایک خاص طبقہ مفت خوروں کا پیدا ہو جاتا ہے اور جب کسی قوم میں مفت خوری رواج پا جائے تو اس کی قوت کار کمزور ہوتے ہوتے محض موقع پرستی اور مفت کے مال پرستی اور کاہلی کے ساتھ گزر بسر کرنے کی بیماری عام ہو جاتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد کے معاشرے کو اس بیماری سے بچانے کا بھی پورا اہتمام کیا' آپ نے جن کی

تنخواہیں خوراک یا وظائف مقرر کئے ان لوگوں کی خصوصیات کے یہ پہلو توجہ طلب ہیں' یا وہ ایسے لوگ تھے کہ جنہیں آئندہ کی فوجی خدمات کے لئے نگاہ میں رکھا گیا یا انہوں نے ماضی میں نمایاں خدمات سرانجام دی تھیں یا ضعف اور بیماری کی وجہ سے کسب معاش کے قابل نہ تھے' اس کے علاوہ آپؓ نے سختی کے ساتھ بے ضرورت سوال کرنے والوں کو معاشرے میں پنپنے نہ دیا بلکہ محتسب کے فرائض میں اس بات کو بھی شامل کیا کہ وہ ایسے لوگوں کو تنبیہ بھی کرے اور ان کی تادیب بھی ہو جو کھانے کمانے کے قابل ہوں مگر اس کے باوجود صدقہ و خیرات لیں' آپ کا فرمانا تھا کہ پیشے کے اعتبار سے پست سے پست طبقے کے لوگ بھی سوال کرنے والے سے بہتر ہیں' اور اہل علم کو خاص طور سے اس بیماری سے بچانے کیلئے اعلانیہ طور پر مخاطب کر کے کہا کہ وہ مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالیں۔

حضرت عمرؓ کے معاشرہ اور آپ کے نظام سلطنت میں عوام کی بھلائی' ان کے حقوق کا تحفظ' ان کیلئے بہتر پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے طریقہ کار کا اہتمام' زندگی کے ہر ہر شعبے میں نمایاں نظر آتا ہے' اتنی بڑی سلطنت' جو تقریباً چوبیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی' جس میں مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی' قدیم الایمان بھی تھے اور نومسلم بھی لیکن اس معاشرے کا سب سے نمایاں پہلو ہر ایک کے حقوق کا تحفظ اور اس کے ساتھ آبرومندانہ طرز عمل ہے' اس معاشرے میں رہنے والے غیر مسلموں کو ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی ضمانت حاصل تھی' انہیں اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کا تحفظ نصیب تھا' ان کی جان' مال' آبرو اسی طرح محفوظ تھی' جس طرح ایک مسلمان کی جان' مال' آبرو۔ اس سلسلے میں وہ معاہدے جو مختلف اوقات میں آپؓ نے غیر مسلموں سے کئے' تاریخ کا روشن باب ہیں' بیت المقدس کی فتح کا معاہدہ اس سلسلے کی نمایاں دلیل ہے' جس میں کہا گیا کہ اہل ایلیا کے لئے امان ہے' جان کے لئے' مال کے لئے' کلیسا اور صلیب سب کے لئے' تندرست اور بیمار کے لئے اور شہر میں بسنے والے تمام مذہب والوں کے لئے' پھر ان عہد ناموں پر مکمل عمل درآمد کیا گیا۔ شام کی فتح کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کو جو فرمان لکھا اس میں تحریر تھا' کہ اہل ذمہ پر کوئی ظلم نہ ہونے پائے نہ کوئی ان کو نقصان پہنچائے اور نہ کوئی ان کا مال کھائے' اہل ذمہ سے کئے ہوئے سارے معاہدے پورے کئے جائیں۔

پھر اس معاشرے میں جبر کا اس طرح انسداد کر دیا گیا کہ حکومت کے محصولات سے لے کے عام معاملات تک خوشدلانہ تعلقات زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری ہو گئے' عام طور سے فاتح اقوام جس بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور حکمرانوں کا رویہ جو طریقہ' کار اختیار کر لیتا ہے' اس کمزوری سے بھی عہد فاروقی کا معاشرہ پاک و صاف رہا' جب عراق فتح ہوا تو اس کے بعد آپؓ نے مفتوحہ زمینوں کا جو بندوبست کیا' اس میں اس بات کا اہتمام کیا' کہ مسلمان معاشرہ میں جاگیردارانہ نظام رواج نہ پائے لہذا جو زمینیں شاہی خاندان یا مفروروں اور باغیوں کی تھیں انہیں رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے وقف کر دیا گیا' اور باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو لگان مقرر کر کے سونپ دی گئی' اور

اس میں آپؓ نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر 10 سے استدلال کیا جس کا پہلا فقرہ ہے والذین جاء و امن بعدھم اور آپ کا استدلال یہ تھا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے اگر یہ تمام زمینیں فاتحین میں تقسیم کر دی جاتیں تو پھر آنے والی نسلوں کیلئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ لہذا حضرت عمرؓ کے اس اقدام کا نتیجہ تھا کہ زرعی پیداوار کی آمدنی مال گزاری کی صورت میں دس کروڑ بیس لاکھ درہم تک پہنچ گئی اور اس سلسلے میں یہ بات قابل لحاظ ہے جس کی طرف حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے توجہ دلائی کہ جبر کے ذریعے حکومت کرنے والوں کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا برتنے کا سلیقہ اور یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین عمرؓ کے عہد میں مال گزاری دس کروڑ بیس لاکھ درہم تک پہنچی مگر حجاج بن یوسف کے ہزار ظلم و جبر کے باوجو عراق کی یہ آمدنی دو کروڑ آٹھ لاکھ درہم سے زائد نہ ہو سکی۔

کسی معاشرے کے استحکام کیلئے ضروری ہے کہ اہل نظر تازہ بستیاں بھی آباد کریں، رسل و رسائل اور آمدورفت کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کی جائیں لہذا عہد فاروقی کا معاشرہ اس سلسلے میں بھی ایک نہایت مستحکم اور ارتقاء پذیر معاشرہ ہے کہ جس میں نئے نئے شہر آباد کئے گئے۔ جن میں بصرہ، کوفہ، موصل اور فسطاط قابل ذکر ہیں۔ جنہیں ایسے مقام پر آباد کیا گیا کہ جو تمام شہری سہولتوں کے فراہم کرنے میں بھی نمایاں کردار ادا کریں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ شہریوں کی آبادکاری ایسے مقام پر ہو جہاں پانی کے ذخائر وافر طور پر موجود ہوں جیسے بصرہ کے قریب دریائے دجلہ اسی دریا سے پھر حضرت عمرؓ کے حکم سے بصرہ تک نہر بھی کاٹ کے لائی گئی۔ اسی طرح کوفہ دریائے فرات کے قریب آباد کیا گیا۔ پھر جو نہریں عہد فاروقی میں تیار کروائی گئیں ان میں نہر موسیٰ، نہر سعد، نہر امیر المومنین اور نہر معقل قابل ذکر ہیں، سڑکوں کی تعمیر اور راہوں میں حفاظتی چوکیاں، سرائیں اور مہمانخانے اس معاشرے کے استحکام کا سبب بنے، معاشرے کے استحکام کیلئے ایک فلاحی اور داعی معاشرے کے لئے نظام تعلیم کی اہمیت سب سے اہم ہے حضرت عمرؓ نے اس طرف بھی خصوصی توجہ رمائی سارے ملک میں مدارس کا جال پھیلا دیا گیا، خانہ بدوشوں اور بدؤوں کے لئے بھی لازمی تعلیم کا طریقہ قائم کیا گیا اور کچھ لوگوں کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ قبائل میں پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور دیکھیں کہ اسے قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد ہے؟ مفتوحہ ممالک میں درس قرآن کے حلقے قائم کئے گئے۔ معلم اور قاری مقرر کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ صحابہؓ میں سے بزرگ ترین اصحاب مختلف صوبوں میں قرآن کی تعلیم کیلئے مقرر فرمائے گئے، ان میں حضرت معاذ بن جبل فلسطین میں، حضرت عبادہ بن صامتؓ شام میں اور حضرت ابو درداءؓ دمشق میں اشاعت اسلام اور تعلیم عامہ کی خدمات سرانجام دیتے رہے، اسی تعلیمی نظام کی اشاعتِ عامہ کا یہ تابناک کارنامہ ہے کہ وہ تمام ممالک جو آج اسلامی ممالک کہلاتے ہیں اور جو حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلامی ریاست کا حصہ بنے ان میں اشاعت اسلام، ترویج دین اور توسیع علوم کتاب وسنت پوری قوت کے ساتھ ہوئی اور عربی زبان کی ترویج نے معاشرے کو ہم رنگی اور ہم خیالی کا کامل نمونہ بنا دیا۔ (ریڈیو پاکستان کے سیمینار میں پڑھا گیا)